ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر سید زبیر شاہ
ایسوسی ایٹ پروفیسر آف اردو گورنمنٹ سپیریئر سائنس کالج پشاور
ڈاکٹر قدرت اللہ خان
اسسٹنٹ پروفیسر آف اردو گورنمنٹ سپیریئر سائنس کالج پشاور

اردو ناول کی روایت میں خیبر پختونخوا کا کردار

Dr. Syed Zubair Shah *
Associate Professor of Urdu, Govt superior Science College Peshawar.
Dr. Qudrat Ullah Khan
Assistant Professor of Urdu, Govt superior Science College Pesh.

***Corresponding Author:**

The Role of Khyber Pakhtunkhwa in the Tradition of Urdu Novel

It is said that Fasana e Azad marks the start of Urdu novel, and thereafter, several authors contributed to the novel writing. Every novel represents society and serves as both the beginning and the end of an intellectual journey. Modern vocabulary and diction are also used to enhance contemporary novels. The KPK's novel writing is the main topic of this article. The notable authors in the KPK novel writing scene can be identified by their novel genre. In KPK, the first Urdu novel was released in 1903. Romantic stories, philosophical debates, Pashtun history and culture, terrorism, and extremism are all featured in KPK novel. These novels have a thematic and technical originality in addition to all of these themes. Even though there aren't many novels written in KPK, the ones that are now published are enhanced by contemporary themes and techniques. These methods and themes have been the subject of this study article's detailed concentration.

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

Key Words: *Tradition of Urdu Novel, Novel Writing, pashtoon civilization , terrorism, extremism , Novel Writing in KPK, Urdu Tradition, Contemporary Techniques and Creative diction.*

دنیائے ادب میں سر زمینِ اردو پر سرشار نے 'فسانہ آزاد' کی جو بنیاد رکھی اس ایوان کا نام ناول ٹھہرا، بعد میں نذیر احمد نے 'مراۃ العروس' کا آئینہ خانہ بنایا تو عروسِ حیات نے اس میں ہر ہر زاویے سے خود کو دیکھا۔ اس صنف کی ترقی و تعمیر میں ایسے ایسے نابغہ روزگار ہستیوں نے اپنا حصہ ڈالا کہ یہ ایوانِ ادب آج اپنی مثال آپ بن چکا ہے، تاہم اس میں تغیر و تبدل کا سلسلہ تاحال جاری و ساری ہے اور یہی خوبی اس کے تحرک اور زندہ ہونے کا ثبوت ہے۔ ناول میں پلاٹ، واقعات، موضوعات، اور کرداروں کے تنوع اور پیہم عملِ ارتقا نے اس صنف کو حیات انسانی کے بے معنی اور لاحاصل نظریاتی الجھاؤ سے بچائے رکھا ہے۔ اس بات سے صرفِ نظر محال ہے کہ شرر، رسوا، پریم چند، سجاد ظہیر، کرشن چندر، عصمت چغتائی، عزیز احمد، قرۃ العین حیدر، فضل احمد کریم فضلی، شوکت صدیقی، خدیجہ مستور، عبد اللہ حسین، اور رضیہ فصیح احمد جیسے ناول نگاروں نے اردو ناول کو بامِ عروج پر پہنچانے میں اپنا اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اِن لکھاریوں نے زندگی کی نیرنگیوں کو تخلیقی کینوس پر یوں اتارا ہے کہ اردو ناول دریائے حیات کے مدوجزر کا عینی شاہد اور ترجمان کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ انھوں نے سماجی، معاشرتی، اقتصادی، مذہبی، عمرانی اور نفسیاتی عوامل کو زیرِ بحث لا کر ہستی کے رازہائے سربستہ پر پڑے ہوئے تمام پردے چاک کر دیے ہیں۔ بقول آلِ احمد سرور:

> "ناول میں زندگی کے مختلف تجربات اور مناظر ہوتے ہیں۔ واقعات کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔ پلاٹ، کردار، مکالمہ، منظر نگاری اور فلسفہء زندگی کی جھلک ہوتی ہے۔ ہر ناول ایک ذہنی سفر کا آغاز ہوتا ہے اور فطرتِ انسانی سے نقاب اٹھانے کی ایک کوشش۔" (۱)

دیکھا جائے تو ناول انسانی حیات اور انسانی معاشرے کی وہ تصویر سامنے لاتا ہے جو اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ قاری کے ذہن میں متحرک رہتی ہے۔ تخلیقی سطح پر ناول کا مطالعہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ حالات و واقعات کے ملبے سے زندگی کے المیوں کو نکال کر نت نئے پیرایوں میں بیان کرتا ہے جو اپنے پڑھنے والے کو ایک خاص قسم کے احساس سے روشناس کراتا ہے۔ یہاں ذیل میں ڈاکٹر سلیم اختر کی رائے سے اتفاق کرنا پڑتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

"اعلیٰ تر تخلیقی صلاحیتوں کا حامل ادب محض قارئین کا دل نہیں بہلاتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی تربیت بھی کرتا جاتا ہے۔ ادیب اپنی تخلیقات کے اندازِ نو سے قارئین میں نئے شعور کے چراغ فروزاں کرتا جاتا ہے۔" (۲)

گویا کارِ ادب محض حظ اٹھانے اور لطف لینے کا نام نہیں بلکہ زندگی کی جہتوں کو ایک سنجیدہ عمل کے ذریعے مؤثر طور پر اجاگر کرنے کا ہنر ہے جس میں گہرائی کے ساتھ ساتھ گیرائی بھی موجود ہو۔

ناول بطور صنفِ ادب ہر معاشرے اور ہر زبان کا اہم ترین جُز رہا ہے۔ یہ ہمیشہ سے کہیں خالص تخلیقی لبادے میں تو کہیں ترجمے کی وساطت سے ملکوں ملکوں کی سیر کرکے تشنگیِ علم کو سیراب کرنے کا سبب بنتا رہا ہے۔ اس میں عالمی منظر نامے سے لے کر مقامی اور علاقائی عکاسی تک، سب حوالے نظر آتے ہیں۔ اردو ناول کی کثیر الجہتی بھی اپنے اندر ایک خاص معنویت سموئی ہوئی ہے۔ جہاں جہاں اردو زبان بولی، سمجھی اور پڑھی جاتی ہے وہاں کسی نہ کسی حیثیت سے (کم یا زیادہ) اردو ناول اپنی موجودگی کا احساس دلاتا ہے۔

گو کہ بعض اوقات جب افسانے کے وجود میں آنے کا سبب بیان کیاجاتا ہے تو وہاں ناول کی نفی کر دی جاتی ہے مگر اس قسم کی آرا میں کوئی صداقت موجود نہیں کیونکہ اگر وقت کی قلت کو جواز بنا کر ناول سے کنارہ کشی اور افسانے کی طرف میلان والی بات کو تسلیم کیا بھی جائے تو پھر بھی ادب کے موجودہ منظر پر سامنے آنے والے بے شمار ناولوں سے کس طرح منہ موڑا جائے گا؟ ان میں سے بیشتر ناولوں نے کم وقت میں نہ صرف قارئینِ ادب سے بے پناہ داد سمیٹی ہے بلکہ تاریخِ ادب میں اپنی مستقل جگہ بنانے میں بھی کامیاب ہوئے ہیں۔ ان ناولوں میں موضوعاتی، اسلوبیاتی اور تکنیکی سطح پر نُدرت اور جدت نظر آتی ہے اس لیے یہ کہنا بجا ہو گا کہ ناول آج بھی اتنی ہی اہم اور مقبول صنف ہے جتنی کل تھی۔ البتہ یہ بات توجہ طلب ہے کہ ناول کے وجود سے ایک نئی صنف ناولٹ نے جنم لیا ہے جو اپنے اندر ناول کی بیشتر خصوصیات رکھتی ہے۔ مگر اس کا مطلب بھی یہ ہر گز نہیں کہ ناول میں عدم دلچسپی کے باعث اس کی ضخامت گھٹ کر ناولٹ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان فطری طور پر تغیر پذیر مزاج کا حامل ہے اور وہ یکسانیت سے اُکتا جاتا ہے اس لیے خوب سے خوب تر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی تلاش میں ہمہ وقت مصروفِ عمل رہتا ہے۔اس لیے ناولٹ کی صداقت یہی ہے کہ یہ اپنی ذات میں خود ایک الگ صنف ہے۔

ادبیاتِ خیبر پختونخو کے منظر نامے پراردو کے اہم ناول نگار بھی موجود ہیں اور ناول کے عمدہ نمونے بھی نظر آتے ہیں۔اگرچہ اس خطے میں ناول کو وہ توجہ نہیں دی گئی جو دوسری اصناف کو نصیب ہوئی یا جس طرح کا رویہ عالمی سطح پر برصغیر کے دوسرے خطوں میں موجود رہاہے ناول کے سلسلے میں اس کا عشرِ عشیر بھی یہاں نظر نہیں آتا۔لیکن پھر بھی یہ بات خوش آئند ہے کہ یہاں نسبتاً کم مقدار میں معیاری ناول لکھے گئے ہیں۔اس ضمن میں گوہر رحمان نوید رقمطراز ہیں:

> ”شاعری اور افسانے کے مقابلے میں اس میدان میں بہت کم طبع آزمائی کی گئی اس لیے جو ادیب اس صنفِ ادب کی وجہ سے مشہور ہوئے ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے لیکن بہ مقدار کم اور بہ معیار زیادہ ان ناولوں میں زندگی کی شش جہت پورے پس منظر اور پیش منظر کے ساتھ تیّر و تاباں نظر آتے ہیں۔“(۳)

مذکورہ بالا اقتباس کے تناظر میں اگر جائزہ لیا جائے تو خیبر پختونخوا میں ناول کی عمر تقریباً اُتنی ہی ہے جتنی اردو افسانے کی عمر ہے، کیونکہ یہاں کے پہلے ناول نگار خان غلام حسن خان کا ناول ’افشائے راز‘ ۱۹۰۳ء میں منظر عام پر آیا۔اس کے بعد ان کا ایک اور ناول ’الماس‘ طویل وقفے کے بعد شائع ہوا لیکن یہ ان کا تخلیقی کارنامہ نہیں بلکہ ترجمہ ہے۔اس کے بعد یہ سلسلہ آگے بڑھا تو عنایت علی شاہ نے باقاعدہ تخلیقی ناول کی طرف رجوع کیا اور ’دستِ غیب‘ کے نام سے ۱۹۲۰ء میں اپنا ناول منظر عام پر لے آئے۔

ناول نویسوں کے اس ادبی کارواں میں خاطر غزنوی، نثار عزیز بٹ نے ناول کو موضوعاتی اور تکنیکی سطح پر برتا، تاہم خیبر پختونخوا میں رحیم گل وہ نام ہے جس کے ہاں ناول کے تمام لوازمات اپنی خاص انفرادیت لیے نظر آتے ہیں۔’نقش ہائے دل‘ اور ’پیاس کا دریا‘ ان کے عمدہ ناول ہیں مگر جو شہرت اور قبولیت ان کے نمائندہ ناول ’جنت کی تلاش‘ کو ملی وہ اس خطے کے کم ہی ناولوں کو نصیب

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہوئی۔اسے صرف خیبر پختونخوا ہی کا نہیں بلکہ تمام اردو ادب کا بھی ایک نمائندہ ناول کہا جا سکتا ہے۔ اس ناول کے حوالے سے گوہر رحمان نوید لکھتے ہیں:

> ”یوں لگتا ہے کہ رحیم گل کے پاس جتنا علم تھا، جتنی فکری توانائی تھی، شخصیت کی جتنی بلندی تھی اور انہوں نے جو متنوع تجربات و مشاہدات زندگی میں حاصل کیے تھے، سارے اس ناول اور خاص طور پر ا س کے مرکزی کردار’امتل‘ کو سونپ دیے ہیں۔“(۴)

مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں ’جنت کی تلاش‘ کی اہمیت کا اندازہ لگائیں تو اس سے متعلق یہ رائے ایک اہم بات کی نشان دہی کررہی ہے، وہ یہ کہ بعض اوقا ت ہر بڑے لکھاری کے ہاں کوئی ایسا بڑا فن پارہ سامنے آجاتا ہے جو اس کے دوسرے فن پاروں کو ہڑپ کر جاتا ہے۔یہ جہاں ایک سطح پر تسلی بخش اور خوشی کی بات ہے وہاں دوسری سطح پر پریشان کُن بھی ہے کیونکہ اس لکھاری کی دوسری تخلیقات دوسرے درجے کی ہو کر رہ جاتی ہیں۔

سیدہ حنا نے ’وہ دن وہ راتیں‘ اور ’تنہا اداس لڑکی‘ کے ناموں سے اردو کو دو عمدہ ناول دیے۔ محمد سعید نے تاریخی ناول نگاری میں نام پیدا کیا۔’فاتحِ فرانس‘ ان کا پہلا تاریخی ناول ہے جو ۱۹۴۵ء میں لکھا گیا۔ محمد سعید کے ناولوں میں ان کا فکری اور فنی ارتقا واضح نظر آتا ہے۔تاریخ سے ان کی دلچسپی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میاں محمد ہمایوں اپنے پی ایچ ڈی مقالے ’صوبہ سرحد میں اردو ادبی نثر (قیامِ پاکستان کے بعد) میں لکھتے ہیں:

> ”محمد سعید تاریخ سے گہرا لگاؤ اور وابستگی رکھتے تھے۔اسی شوق کی بِنا پر آپ نے تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا اور اپنے شوق وجذبے کو کاغذ پر منتقل کرکے ناول کی صورت عطا کی۔عمیق مطالعے کی بِنا پر وہ تاریخی واقعات کو بتدریج بڑھاتا ہے اوراس کے نشیب و فراز سے قاری کے ذہن کو متجسس بناتا ہے۔“(۵)

ان کے علاوہ رضیہ فصیح احمد، احمد پراچہ، ڈاکٹر اعجاز راہی، امِ عمارہ، طاہر آفریدی، مسرت لغاری، مشرف تمیز، خیبر پختونخوا کے ناول اور ناولٹ کی تاریخ کے اہم اور نمائند ہ نام ہیں۔تاہم یہ کوئی حتمی فہرست نہیں۔ان کے علاوہ اور بھی کئی بڑے بڑے نام ناول کے منظر نامے پر موجود ہیں جنھوں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

نے خیبر پختونخوا کی ناول نگاری اور ناولٹ نگاری کی روایت کو آگے بڑھانے میں اپنا بھر پور اور اہم کردار ادا کیا ہے۔ان میں سے چند ایک کے نمائندہ ناولوں اور ناولٹ کا مختصر سا جائزہ ذیل میں پیشِ خدمت ہے۔

مختار علی نیر کا ناولٹ 'گلیاں اور بازار' کے نام سے منظرعام پر آیا ہے جس میں تیسری جنس سے تعلق رکھنے والے ایک کردار کو موضوع بنایا گیا ہے۔یہ ناولٹ صرف موضوعی سطح ہی پر اہمیت نہیں رکھتا بلکہ اسلوبیاتی سطح پر بھی قاری کے ذہن کو متاثر کرتا ہے۔راگوں کا حوالہ ہو یا موسیقی کا صوتیاتی آہنگ، ہر جگہ مصنف کی فنی پختگی کا ثبوت ملتا ہے۔اس ناولٹ کا مرکزی کردار کریم مختلف مواقع پر لڑکی کے روپ میں رقص کرتا ہے مگر اس کے خدو خال اور جسمانی حرکات سے قطعاً یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ درحقیقت ایک لڑکا ہے۔بہروپ میں گزرتی یہ زندگی نفسیاتی طور پر اس کے ذہن میں نسوانیت کا احساس پختہ کرنے لگتی ہے یہاں تک کہ اس کے اپنے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ کاش وہ لڑکی ہوتا۔مضبوط اور کرخت مردوں کے لمس سے وہ ایک جنسی جذبے سے مغلوب ہو جاتا،یہاں تک کہ اس کے لاشعور میں دبی ہوئی یہ خواہش اس کے خوابوں میں بھی نظر آنے لگتی ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ اس میں یہ نسوانی حس مکمل طور پر بیدار ہوتی ہے تو وہ فریدہ کے نام سے باقاعدہ ایک طوائف کا روپ اختیار کر لیتا ہے، یہ روپ اس حقیقت کے اس قدر قریب ہوتا ہے کہ ناچتے ہوئے وہ وہی سما باندھ لیتا جو ایک طوائف کا خاصا سمجھا جاتا ہے۔اس کے ارد گرد موجود باقی اداکارائیں اور طوائفیں اس کے فن اور نزاکت سے حسد کرنے لگتی ہیں لیکن کریم کو فریدہ بن کر رہنا اچھا لگتا ہے۔پہلے ہیجڑا بن کر زندگی گزارنا اس کی مجبوری تھی کیونکہ اس وقت وہ اس زندگی سے خوش نہیں ہوتا، عورت کے روپ میں ڈھل کر وہ ایک عجیب سی سرشاری میں مبتلا رہنے لگتا ہے۔اس کی اس کیفیت کو مصنف نے ایک جگہ ناولٹ میں یوں اجاگر کیا ہے:

> "اس کا جی چاہتا کہ وہ ان لوگوں کو مروڑ کر رکھ دے۔ان کی گردنیں توڑ دے جو اسے ہیجڑا سمجھتے ہیں۔اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔"(۶)

ایسے مواقع پر اس کی ذات کے اندر موجود کشمکش اسے بہت بے چین رکھتی ہے۔تاہم اس کی زندگی اس وقت بدل جاتی ہے جب ایک آپریشن کے ذریعے وہ ایک حقیقی اور مکمل عورت بن جاتا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہے۔اس ناولٹ میں مصنف نے بڑی مہارت سے ہیجڑوں کا روزمرّہ اور محاورہ استعمال کیا ہے۔اس خاص ڈکشن نے ناولٹ میں اسلوبیاتی سطح پر بڑی جان پیدا کی ہے۔فکری سطح پر ناولٹ میں نہ صرف ہیجڑوں کے مخصوص ماحول کی بھر پور عکاسی کی گئی ہے بلکہ ان کی عادات و اطوار اور طور طریقوں کو بھی حقیقی معنوں میں سامنے لایا گیا ہے۔مصنف کے مطابق چونکہ ان لوگوں کے خونی رشتے اکثران کو خود سے جدا کرکے پرایا کرلیتے ہیں اس لیے ہر مشکل میں یہ ایک دوسرے کا سہارا بن جاتے ہیں۔ان کے اندر موجود عدم تحفظ اور بے بسی کا احساس ان کو آپس میں جوڑے رکھتا ہے۔

زیتون بانو اردو اور پشتو دونوں زبانوں میں اپنی الگ پہچان رکھتی ہیں۔یوں تو انھوں نے افسانے کے حوالے سے نام پیدا کیا مگر ان کا اردو میں لکھا ہوا ناول 'برگِ آرزو' بھی خاصے کی چیز ہے۔یہ ناول ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔اس کی مقبولیت اور عمدہ کہانی کو دیکھتے ہوئے پشاور ٹیلی وژن نے اسے ڈرامائی تشکیل دے کر بھی پیش کیا ہے۔ایک مستقل افسانہ نگار کا ناول کی طرف آنا کئی حوالوں سے اہم ہے تاہم اکادمی ادبیات پاکستان کے تحت پاکستانی ادب کے معمار پر کتب نویسی کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس میں معروف پشتو شاعر اور محقق اباسین یوسفزئی نے بھی اپنا کردار ادا کرتے ہوئے 'زیتون بانو:شخصیت اور فن' کے عنوان سے اپنی کتاب مکمل کی ہے۔مذکورہ کتا ب میں وہ زیتون بانو کی ناول نویسی کے متعلق رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "انہوں نے افسانے کی صنف چنی مگر اس حساس کہانی کار نے جب محسوس کیا کہ وہ حیاتِ انسانی کے گوں نا گوں حالات و کیفیات کو فن کے سانچے میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتی ہیں تو شاید کسی عزیز خیر خواہ کے کہنے پر یا شاید خود ہی اپنے ذہن رسا سے فیصلہ کیا کہ کیوں نہ ناول جیسی سنجیدہ صنفِ ادب کو اظہار کا ذریعہ بنایا جائے۔"(۷)

اس اقتباس میں دو باتیں غور طلب ہیں ایک یہ کہ اگر زیتون بانو افسانہ لکھ رہی تھیں تو وہ بھی ایک سنجیدہ صنف ہے، پھر حیاتِ انسانی کے گوں نا گوں حالات و کیفیات کو فن کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے ناول کے ساتھ سنجیدہ صنف کے الفاظ چہ معنی دارد؟ دوسری بات یہ کہ زیتون بانو کے حوالے کسی عزیز خیر خوا کے کہنے پر ناول لکھنے کا اندازہ کچھ اضافی معلوم ہوتا ہے کیونکہ زیتون بانو ایک

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

کُل وقتی قلم کار ہیں اور سنجیدگی سے تخلیقِ ادب میں سرگرم رہتی ہیں اس لیے ان کے لیے یہ فیصلہ خود کرنا کوئی مشکل نہ ہو گا کہ ناول کی صنف میں بھی طبع آزمائی کرنی چاہیے۔

'برگِ آرزو' کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ زیتون بانو اگر اس صنف کی طرف باقاعدہ توجہ دیتیں تو خیبر پختونخوا کے ادب کو ایسے کئی لازوال ناول دینے کی صلاحیت ان کے قلم میں موجود تھی۔

بچپن کے رشتے اور بے جوڑ شادیاں ہمارے معاشرے کا ایک ایسا المیہ ہے جس پر کئی اہم فن پارے سامنے آچکے ہیں۔ یہ ناول بھی ایسی ہی ایک لڑکی زیبو کی کہانی ہے جو والد کی لاڈلی ہونے کے باوجود اپنے معاشرتی رسم و رواج کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ بچپن میں جس ماموں زاد (شفیق) سے اس کا رشتہ طے ہوتا ہے وہ زیبو کے والد کو ایک آنکھ نہیں بھاتا لیکن خاندانی روایات کے آگے بے بس رہتا ہے۔ وہ کڑی شرطیں رکھ کر ایک طویل عرصے تک اس رشتے کو روکے رکھتا ہے مگر یہ رشتہ وقت کے ساتھ ساتھ ناسور بنتا جاتا ہے۔ زیبو ایک باشعور لڑکی ہے جو وقت کی قدر و قیمت جانتی ہے اس لیے وہ خود کو مرغیوں، شہد کی مکھیوں اور بکریوں کے ساتھ ہر وقت مصروف رکھتی ہے مگر اس کی یہ بے پناہ مصروفیت دراصل اپنے حالات سے ایک لاشعوری اور غیر ارادی فراریت بھی ہوتی ہے۔ گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی خود کو ایک بے نام سی خود فریبی میں رکھنے کی سعی لاحاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ ناول قدیم پشتون روایات اور اقدار کا آئینہ ہے تو غلط نہ ہو گا لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات آج بھی ہمارے معاشرے میں سامنے آتے رہتے ہیں۔

ایک بار جب زیبو کا والد اسے ڈاکٹر عبد المجید کے پاس لے کر جاتا ہے تو وہاں ان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں تو برسوں کے بچھڑے قریبی دوست ہیں۔ دوستی کی تجدید ہوتی ہے تو ایک دوسرے کے گھر آنے جانے کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے۔ زندگی کے اس نئے موڑ پر زیبو کو ڈاکٹر کے بیٹے جاوید سے محبت ہو جاتی ہے، مگر اس سے پہلے کہ محبت کی یہ کلی کھلتی، شفیق کے ساتھ اس کی شادی کی تاریخ بھی طے ہو جاتی ہے۔ اس ڈرامائی صورت حال میں ایک عجیب واقعہ اس وقت رونما ہو تا ہے جب عین شادی کے موقع پر پولیس والے شفیق اور اس کے باپ کو گرفتار کرکے لے جاتے ہیں کیونکہ وہ دونوں غیر قانونی کاروبار میں ملوث ہوتے ہیں۔ اس تمام تر تلخ حقیقتوں کے بعد بھی جاوید کو جب

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

پتا چلتا ہے تو وہ زیبو سے ملنے جاتا ہے مگر زیبو یہ کہ کر ملنے سے انکار کر تی ہے کہ وہ کسی اور کی امانت ہے۔

گو کہ اس ناول کی کہانی میں کہیں کہیں واقعات کا تسلسل ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے مگر پھر بھی اس ناول میں جس طرح مقامیت کو سامنے لایا گیا ہے اس نے ناول کے مجموعی تاثر میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔کرداروں کے مابین مکالمہ نہایت برجستہ اور جاندار ہے جس کی مدد سے بھر پور نفسیاتی کیفیات کو سامنے لایا گیا ہے۔یہ ناول سماجی ریت رواج کے ہاتھوں معصوم جذبوں کے قتلِ عام کی داستان سناتا ہے۔

ادبیاتِ خیبر پختونخوا میں سعد اللہ جان برق کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ان کے فکاہیہ کالموں میں ان کی علمیت اور عمیق مشاہدے کے سب ہی معترف ہیں۔پشتو شاعری اور تحقیق و تنقید میں بھی انھوں نے اپنی نوعیت کے منفرد کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔تاہم یہاں زیرِ بحث ان کا اردو ناول 'شب چراغ' ہے۔یہ نام دراصل ' لعلِ شب چراغ' کے مرکب سے لیا گیا ہے جس کا مطلب ہے رات کو چمکنے والا لعل۔بنیادی طور پر ناول کے نام میں اسے ایک علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جو مذکورہ ناول کے مرکزی کردار کو اجاگر کرتا ہے۔اس ناول کا اسلوب اور لفظیات پختون ثقافت کی نمائندگی کرتے ہیں۔مصنف نے جگہ جگہ پشتو ضرب الامثال اور محاوروں کو لفظی سطح پر اردو کے قالب میں ڈھالاہے جس سے ان کے ہاں اظہاربیاں کا ایک بالکل نیا پیرایہ سامنے آیا ہے۔مذکورہ ناول میں مقامی سطح پر موجود طبقاتی نظام پر شدید اور گہرا طنز موجود ہے۔اس ضمن میں بعض مقامات پر ایسے ایسے جملے پڑھنے کو ملتے ہیں جو خود گواہی دیتے ہیں کہ یہ مصنف کے دل سے نکلی ہوئی بات ہے، مگر بعض مقامات پر یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ مصنف اپنے غصے اور نفرت کے جذبات پر قابو رکھ نہیں پایا۔وہ اپنے کتھارسس کی خاطر اپنے اندر موجود لاوا لفظوں کی تلخیوں میں اُگل دیتے ہیں جس سے ان کا لہجہ ضرورت سے کچھ زیادہ سخت محسوس ہونے لگتا ہے۔مثلاً،

> "خان کے دو پیروں والے کتوں نے اسے گاؤں سے باہر ہی روک کر بھنبھوڑنا شروع کیا۔"(۸)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

"اگر وہ حویلی پہنچ بھی جاتا تو خان کا کیا کر لیتا بے شمار کتے اسے کیسے جانے دیتے۔" (۹)

یاد رہے کہ مذکورہ بالا دونوں اقتباسات کے علاوہ ناول میں کئی اور مقامات پر بھی خانوں کے لیے ناجائز کام کرنے والوں اور ان کی چاپلوسیاں کرنے والوں کو اس قسم کے نام دیے گئے ہیں۔یہ ناول دراصل خان ازم کے منفی اور جارحانہ پہلوؤں کے خلاف ایک احتجاجی نعرہ بھی ہے جس میں بے بس،مظلوم اور محروم طبقہ ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہتا ہے۔تعلیمی نظام ہو یا انسداد جرائم کا محکمہ پولیس، سب کو وہ جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں اور اپنی بے پناہ دولت کے بل بوتے پر ان سب کو جب اور جیسے چاہیں اپنے ذاتی مفادات کے لیے استعمال کرتے ہیں۔اس ناول کے ذریعے ایک طرف مصنف نے خوانین کی نسل در نسل بے راہ روی کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے مگر ناول کا دوسرا اور بنیادی رُخ اس کو فنی سطح پر نقصان پہنچانے کا سبب بھی بنتا ہے۔

جیساکہ ناول کے حوالے سے ابتدا ئی بحث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ شب چراغ ایک علامت ہے،تو یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مصنف نے یہ علامت دراصل باچا خان کے لیے استعمال کی ہے اور مختلف کرداروں کی مدد سے کہانی بڑھاتے ہوئے جب وہ باچا خان کے کردار تک پہنچتے ہیں تو ان پر اپنا مخصوص نظریہ یا باچا خان کی لامحدود عقیدت اس قدر غالب آجاتی ہے کہ وہ ناول کے پلاٹ میں واقعات کے بجائے باچاخان کی تعلیمات اور فلسفے کو ایک مؤرخ کے طور پر بیان کرنا شروع کر لیتے ہیں۔حالانکہ دلاور خان سے شروع ہونے والی یہ کہانی بھر پور تجسس کے ساتھ آگے بڑھتی ہے تو نہ صرف اپنے قاری کے ذہن پر گرفت مضبوط رکھتی ہے بلکہ اس کی دلچسپی کو بھی ہر قدم پر برقرار رکھتی ہے۔ناول میں ہندو مسلم کے تعلق کو سمجھانے کے لیے نو آبادیاتی نظام کے تحت ایک خاص قسم کا ماحول کشید کرنے کی طرف بھی واضح اشارے کیے گئے ہیں۔افغانستان کے تاریخی واقعات پر مرحلہ وار بحث نے اس ناول کی تاریخی اہمیت ضرور بڑھائی ہے لیکن پلاٹ میں جھول پیدا ہونے کی وجہ سے ناول کے مجموعی تاثر کو نقصان بھی پہنچا ہے۔

مصنف نے پختونوں کے زوال، خانہ جنگی، تعلیم سے دوری اورشدت پسندی کو باچا خان کے نظریہ امن، نظریہ تعلیم اور عدم تشدد کی مدد سے ختم کرنے کی کوششوں کو کاغذ پر کہانی کی شکل میں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

اتارنے کی کوشش کی ہے۔سیاست میں مذہب کا استعمال اس خطے کا ایک بڑا المیہ رہا ہے لیکن اس ناول میں دین کی خدمت کرنے والے ان نام نہادوں کی قلعی بھی کھول کر رکھ دی گئی ہے جو اپنے ذاتی مقاصد کے لیے اسلام کا نام استعمال کرتے ہیں۔ایسے کند ذہن اور کم فہموں کواسلام دشمن اور ملک دشمن بڑی آسانی سے استعمال کرلیتے ہیں، کبھی ان کو بڑے بڑے سہانے خواب دکھائے جاتے ہیں اور کبھی کچھ مبہم سی خوش فہمیوں میں ڈال کر ان سے اپنے کام نکلوائے جاتے ہیں۔

ناول کا اہم کردار دلاور تقدیر کے چکر میں پھنستا ہے تو اپنی زندگی میں آنے والے ہر عزیز کو کھو دیتا ہے۔دلاور کو درپیش حالات اسے ایک بڑا ڈاکو اور مجرم بنا دیتے ہیں مگر مصنف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ برائی کو نیکی ہی سے ختم کیا جا سکتا ہے اور یہی باچا خان کا فلسفہ حیات تھا۔سیاست میں کس طرح سیاسی داؤ پیچ سے بڑے بڑے مجرموں کو قید سے آزاد کراکے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس کی عکاسی ناول کے مختلف واقعات میں بخوبی کی گئی ہے۔مثلاً باچا خان کی مقبولیت کو دیکھ کر جب سب ان کی کامیابیوں سے خوف زدہ ہو گئے تو دلاور کو جیل سے نکلنے کی لالچ دے کر اسے بطور خدمت گار باچا خان کے ساتھ مامور کیا گیا تاکہ وہ آسانی سے انھیں قتل کر سکے۔ یہاں اس بات کاذکر بطور خاص ضروری ہے کہ ناول میں ملاؤں کے خلاف مصنف کے لہجے میں ایک خاص تندی اور تیزی محسوس ہوتی ہے لیکن یاد رہے کہ ناول میں ذاتی عناد یا نفرت کو سامنے لانا ایک بڑی خامی ہے۔تاہم اس سے انکار نہیں کہ جذباتی سطح پر اذہان کو مفلوج کرنے کے مختلف حربے استعمال کیے جاتے ہیں جس سے عوامی سطح پر انتشار جنم لیتا ہے اور لوگ لاشعوری طور پر متاثر ہوتے ہیں۔

باچا خان کے خلاف بھی مقامی غنڈوں، مذہب اور سیاست کا استعمال کیا گیا لیکن انھوں نے اپنی جادوئی شخصیت سے اپنے ہر مخالف کی مخالفت کو عقیدت میں بدل دیا۔چونکہ یہ ناول تاریخی واقعات اور حقائق پر مبنی ہے اس لیے تمام کرداروں کی اصلیت واضح ہے جس سے قاری کو ناول کے بجائے تاریخی واقعات پڑھنے کا احساس ملتا ہے۔باچا خان کی تعلیمات کو ناول کے آخر میں مکالمے کی صورت دے دی گئی ہے جس سے ناول کا پلاٹ بر ی طرح مجروح ہوا ہے۔اگر یہاں یہ کہا جائے کہ ایک اچھے ناول کو نظریات کی بھینٹ چڑھایا گیا ہے تو غلط نہ ہوگا۔جہاں تک باچا خان کا تعلق ہے تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس جغرافیے میں یہ بات عمومی نظر آتی ہے کہ کسی لیڈر کو اوپر لے جانے میں اکثر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

اوقات بعض خارجی عناصر بھی کارفرما رہے ہیں۔تاہم باچا خان کے حوالے سے یہ بات بہت حد تک غلط ثابت ہوتی ہے کیونکہ انھوں نے دوسروں کا سہارا تو دور کی بات خود اپنے خان اِزم اور دولت کو بھی سہارا نہیں بنایا، بلکہ جذبہ جنوں کی سیڑھیوں پر بلندی کی منزلیں سر کیں۔یہ ناول پڑھتے ہوئے ایک سوال ذہن میں ضرور اٹھتا ہے کہ آخر مصنف نے اس مواد کے لیے ناول کی صنف کا انتخاب کیوں کیا۔اس کا جواب دیتے ہوئے مصنف نے ابتدائیہ میں اس کی دو بڑی وجوہات بیان کی ہیں۔

> "ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ اس ہستی کے بارے میں بیانیہ اور سوانحی انداز میں تو بہت کچھ لکھا گیا ہے جو زیادہ تر تکرار اور خشکی کے ذیل میں آتا ہے۔۔۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس عظیم ہستی کی عظمت کو تو بے شک کئی کئی پہلوؤں سے اجاگر کیا گیا ہے لیکن اس میں ان مخصوص حالات پر روشنی بہت کم ڈالی جاتی ہے جو اس وقت گرد و پیش میں موجود تھے۔"(۱۰)

اختر رضا سلیمی خیبر پختونخوا کے موجودہ منظر نامے پر وہ نام ہے جنھوں نے شعر کہے تو اپنی دھاک بٹھائی، پھر نثر کی طرف آئے تو اپنا لوہا منوایا۔ان کا پہلا ناول 'جاگے ہیں خواب میں' ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا اوربعد میں 'جندر'کے نام سے ایک ناولٹ لکھ کر اپنے قارئین سے داد سمیٹی۔'جاگے ہیں خواب میں' کے نام سے لکھے گئے ناول میں خوابوں اور یادوں کا ایک ہجوم ہے جو اپنے گداز احساسات کے ساتھ ایک دوسرے سے گلے ملتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اس ناول کے ابتدائی مناظر کے جزئیات پڑھ کر مصنف کی قوتِ مشاہدہ اور طرزِ ادا پر رشک آتا ہے۔ہر منظر کے ساتھ وابستہ ایک کہانی کا حوالہ ان کی روایت پرستی اور روایت پسندی پر دلالت ہے۔ناول کے مناظر میں یونانی دیو مالا کی داستان شامل کرکے وہ وقت کی کڑیوں کو ملانے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کا شعور اور لاشعور آپس میں فوری طور پر جڑ جاتا ہے۔یہ ناول دراصل نسلوں کے ذہنی سفر کی کہانی ہے جو ناول کے مرکزی کردار زمان کی وساطت سے بہ یک وقت آگے بھی بڑھتا ہے اور ماضی کے ساتھ بھی جڑا رہتا ہے۔

جنگجو نور خان کی نسل سے تعلق رکھنے والا زمان کئی پشتوں کے بعد دنیا میں آتا ہے لیکن دو ہزار پانچ کے زلزلے میں جب اس کا شعور سو جاتا ہے تو اس کا لاشعور جاگ کر اسے زمانوں کے سفر پر ماضی میں کھینچ کر لے جاتا ہے۔اس دوران ذات اور شخصیت کی بظاہر یہ تقسیم بھی اس کو ایک ہی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

سانچے میں سمیٹے رکھتی ہے۔وقتی طور پر وہ اپنے لیے اجنبی بن جاتا ہے لیکن اس کے خاندان اور نور آباد بستی کے باسیوں کے لیے وہ وہی ہوتا ہے۔آٹھ اکتوبر کے قیامت خیز زلزلے پر نظم و نثر دونوں میں بہت کچھ تخلیق ہوا لیکن اختر رضا سلیمی اس سانحے کے ملبے سے ایک بالکل اچھوتا اور منفرد موضوع کشید کرکے نکال لائے اور یہی ایک بڑے تخلیق کار کی پہچان ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو دہراتا ہے نہ خود کو، بلکہ ہمیشہ منفرد انداز سے سوچتا ہے اور حیات و کائنات کے نت نئے پہلوؤں کو سامنے لاتا ہے۔یہ ناول جو تاریخ سے شروع ہوتا ہے، فلسفہء وقت اور فلسفہء موت کا احاطہ کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور نفسیات کے دائروں میں داخل ہو جاتا ہے۔ناول کے متن کا ہر جملہ یہ بتا تا ہے کہ مصنف غور و فکر کرنے والا تخلیق کا ر ہے۔وہ اپنا مطالعہ اور مشاہدہ بروئے کار لا کر اپنے تخلیقی عمل کو شاد و شاداب رکھنے پر یقین رکھتے ہیں۔چونکہ اختر رضا سلیمی ایک اعلیٰ پائے کے شاعر بھی ہیں اس لیے وہ اپنی نثر میں اپنے شاعرانہ تخیل سے بھر پور کام لیتے ہیں۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ستاروں کی دنیا میں سفر کرنے والا وہ زمیں زادہ ہے جو وقت اور حیات و موت کی حقیقتیں دریافت کرنے نکلے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ طبیعیات کے حوالے سے وہ بہت پُر مغز اور اہم سوالات اٹھاتے ہیں جس سے ان کی تحریر میں جدت کا نیا پیرایہ بھی نظر آتا ہے اور ماضی کے حوالوں کی طرف مراجعت بھی اپنا احساس دلاتی ہے۔

ناول کے لیے اہم تاریخی واقعات کا انتخاب کر کے انھیں مختصر مگر جامع انداز میں پیش کیا گیاہے۔بستیاں آباد ہونے کی صدیوں پر پھیلی ہوئی تاریخ کو چند صفحات میں تمام تر تفصیلات کے ساتھ قلم بند کرنا مصنف کی قادر الکلامی کا ثبوت ہے۔اس اندازِ تحریر نے جادوئی حقیقت نگاری کے طور پر ان کے اسلوب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔اس حوالے سے خالد فتح محمد لکھتے ہیں:

> "جاگے ہیں خواب میں جادوئی حقیقت نگاری کی اعلیٰ مثال ہے۔۔۔اختر رضا سلیمی بیک وقت نفسیاتی فلسفے ECPاور اواگوں اور جادوئی حقیقت نگاری کی تکنیکوں کو برتتے ہوئے تاریخ، تہذیب، جینیاتی سائنس اور معاشرتی پیچیدگیوں کا بیان ایسے دل چسپ پیرائے میں کرتا ہے کہ اختتام پر ناول کی ضخامت کم محسوس ہوتی ہے۔"(۱۱)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

مذکورہ بالا اقتباس جہاں ایک طرف اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ اس ناول میں کئی موضوعات شامل کیے گئے ہیں وہاں اس بات کی گواہی بھی دیتا ہے کہ فن پارے میں تخلیقی جوہر اپنی ادبی چاشنی اور فکری گہرائیوں کے ساتھ موجود ہو تو اس کی ضخامت کبھی ناگوار نہیں گزرتی۔ممکن ہے کہ مختلف موضوعات کی یہ طویل فہرست دیکھ کر یہ لگے کہ شاید 'جاگے ہیں خواب میں' کوئی الجھا ہوا ناول ہوگالیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد مصنف کی قادر الکلامی کی داد دیے بغیر رہا نہیں جاتا۔ وہ جب تاریخ کا ذکر کرتے ہیں تو قاری کو اسی ماحول میں لے جاتے ہیں، خوابوں کا ذکر چھیڑتے ہیں تو قاری بھی ایک خواب آگیں ماحول میں داخل ہوجاتا ہے، جذبات کے درد و کرب کا اظہار کرتے ہیں تو پڑھنے والا اپنے وجود میں ٹیس کی لہریں اٹھتی ہوئی محسوس کرتا ہے، ایک ماہرِ نفسیات کی طرح انسان کے باطن کو سامنے لاتے ہیں تو ہر ایک کی دل چسپی کا سامان اس میں موجود ہوتا ہے۔اسی دل چسپی کے مدِ نظر خالد فتح محمد نے یہ رائے دی ہے کہ ناول کی ضخامت کم محسوس ہونے لگتی ہے۔یہ ناول آخر تک اپنے قاری کا ذہنی امتحان بھی لیتا ہے کیونکہ حالات و واقعات کی تمام کڑیاں آپس میں یو ں پیوست ہیں کہ کسی ایک کو نظر انداز کرنے یا بھول جانے سے سارے پلاٹ کا تسلسل ٹوٹ کر رہ جاتا ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی ناول میں یہ خوبی بھی موجود ہے کہ وہ اپنے قاری کو تسلسل اور انہماک کے ساتھ پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔موت اور وقت اختر رضا سلیمی کے پسندیدہ موضوعات ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولٹ 'جندر' میں بھی یہی موضوع بہ اندازِ دگر نظر آتا ہے۔

بحیثیت شاعر عزیز اعجاز کی شاعری نے ہمیشہ پڑھنے اور سننے والوں کو متاثر کیا لیکن ان کے تخلیقی عمل کی ایک اور جہت ناولٹ اور ناول نگاری بھی سامنے آچکی ہے۔'پشیمان چاہتیں' کے نام سے ان کی نثری کاوش رنگِ ادب پبلی کیشنز کراچی سے حال ہی میں منظرِ عام پر آچکی ہے جس میں ایک ناول، 'پشیما ن چاہتیں' اوردو ناولٹ،'ادھوری تصویر' اور 'سازِ دل' ایک ہی جلد میں مجلد ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے ان کی نثر نگاری کو سراہتے ہوئے رائے دی ہے :

> "عزیز اعجاز کی شاعری میں جو کرشمے ہیں، جو جادوگریاں ہیں۔ان کے طلسم اُن کی کہانیوں میں بھی جلوہ گر ہوتے ہیں۔"(۱۲)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

یہ تمام تخلیقی نثر پارے سیدھی سادی کہانیاں ہیں جن میں کہیں کوئی پیچیدگی اور الجھن موجود نہیں اور نہ قاری کو بے جا ذہنی مشقت میں مبتلا کرنے کی شعوری کوشش کی گئی ہے۔چونکہ عزیز اعجاز بنیادی طورپر الیکٹرانک میڈیا اور بالخصوص ڈرامے سے وابستہ رہے ہیں اس لیے وہ عوامی پسند نا پسند کی نفسیات سے بخوبی آگاہ ہیں۔یہ بات محلِ نظر رہے کہ عوامی پسند ناپسند کی رائے کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ ان فن پاروں میں محض عوامی سطح کی سطحی کہانیاں موجود ہیں۔بلا شبہ ان کے شعر کی طرح یہاں بھی ان کے تمام تخلیقی جوہر کھل کر سامنے آئے ہیں۔خوبصورت مکالمہ، تخلیقی جملوں اور کہانی میں ڈرامائی صورتِ حال سے ہر قدم پر دل چسپی پیدا کرنے کی بھر پور کوشش کی گئی ہے۔یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان تمام نثر پاروں میں فنونِ لطیفہ کو بطور خاص موضوع بنایا گیا ہے۔اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ ان تمام فنون سے بالواسطہ یا بلا واسطہ وہ ذاتی طور پر منسلک رہے ہیں۔

'پشیمان چاہتیں' میں دو مختلف دنیاؤں کو ایک فریم میں اتارنے کی کوشش کی گئی ہے۔یہ کہانی ایک کرکٹر عاصم نوید کے کامیاب کیریئر اور ناکام معاشقوں کو سامنے لاتی ہے۔عشق کا سلسلہ کیریئر کی ابتدا میں سدرہ سے شروع ہوتا ہے مگر کامیابیوں کے زینے چڑھنے کے بعد ایک فلائیٹ میں اس کی ملاقات انتہائی امیر گھرانے کی شیبا سے ہوتی ہے جو خود بھی بزنس کرتی ہے۔یہ ملاقات بعد میں بڑھتے بڑھتے پہلے محبت اور پھر شادی میں بدل جاتی ہے۔مگران کی خوش گوار زندگی میں بے ترتیبی اس وقت آتی ہے جب عاصم نوید اپنی فطرت سے مجبور ہو کر سجاتا کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔سجاتا اپنے زمانے کی معروف اور مصروف ماڈل ہوتی ہے۔عاصم نوید ایک طرف سدرہ کی خاموش محبت کو اس لیے رد کرتا ہے کہ اب دونوں کے سٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہو چکا تھا۔دوسری طرف سجاتا کی ظاہری چمک دمک سے اس قدر مرغوب ہوتا ہے کہ شیبا جیسی وفا دار بیوی سے بھی بے حسی برتنا شروع کر لیتا ہے، حالانکہ یہی شیبا اپنے والدین کی تمام تر مخالفت کے باوجود نہ صرف اس سے شادی کرتی ہے بلکہ اس کے حسبِ خواہش گھر پر اپنی بہت بڑی رقم بھی لگا دیتی ہے۔مگر عاصم کی آنکھوں پر غفلت کی پٹیاں یوں بندھی ہوتی ہیں کہ اسے کچھ نظر نہیں آتا۔اس لیے وہ سجاتا کے ساتھ بہت آگے نکل جاتا ہے اور یہ معاملہ بھی شادی تک پہنچ جاتا ہے۔اس کی خبر شیبا کو ہوتی ہے تو وہ خلع لے لیتی ہے۔دوسری طرف سجاتا بھی ایک وفا شعار بیوی بن کر اس کے ساتھ رہتی ہے لیکن فلموں میں سمیر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

کے ساتھ اس کی جوڑی اتنی مقبول ہوتی ہے کہ اخبارات میں ان کے افیئرز کی خبریں آنا شروع ہو جاتی ہیں۔یہیں سے اس کے اور سجاتا کے رشتے میں بھی دراڑ پڑجاتی ہے اورپھر یہ تناؤ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اس رشتے کی ڈور بھی بالآخر ٹوٹ جاتی ہے۔

پشیمان چاہتوں کی یہ کہانی مجموعی طور پر عورت کے ایک سافٹ امیج کو ابھارتی ہے کیونکہ دیکھا جائے تو تینوں اہم کردار مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھتے ہیں اوریہ تینوں خواتین اپنے اپنے میدان میں کامیاب نظر آتی ہیں اس کے باوجود اپنی ذمہ داریو ں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ رشتے نبھانے کی صلاحیت سے بھی مالا مال ہیں۔مگر عاصم نوید کی بو الہوسی اسے آخر میں تنہا کر دیتی ہے۔اس ناول میں ایک معاون کردار ایاز جونیئر کا بھی ہے جو عاصم کا قریبی دوست ہے۔مصنف نے جہاں ضروری سمجھا ہے وہاں اس کردار کی مدد سے کہانی کو آگے بڑھایا ہے۔

'ادھوری تصویر' تین دوستوں سجاد، ریاض اور جلال کی کہانی ہے۔مگر جلال کو ہم اس ناولٹ کا مرکزی کردار کہ سکتے ہیں کیونکہ یہ کہانی اسی کے گرد گھومتی ہے۔مصور ی کا شوق رکھنے والا جلال ایک بے پناہ فن کار ہے لیکن حالات کے ہاتھوں اس کے لیے آگے بڑھنے کے تمام راستے بند ہوتے ہیں۔آرٹ کی کلا س میں ایک امیر لڑکی اس میں دل چسپی لینا شروع کرتی ہے لیکن اپنی کم مائیگی کے باعث وہ سحرش کی طرف پیش قدمی سے کتراتا ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ جلال کا فن نکھرتا چلا جاتا ہے۔مقامی سطح پر اس کی خوب پذیرائی ہوتی ہے لیکن اس کے فن کو اس وقت عروج ملتا ہے جب یاور ملک نامی ایک امیر آدمی اس کی تصاویر لندن لے کر جاتا ہے اور وہاں وہ مہنگے داموں فروخت ہوتی ہیں۔مگر اس دوران اس کی غربت کے باعث سحرش کی ماں مختلف حیلوں بہانوں سے نہ صرف ان دونوں کو جدا کرتی ہے بلکہ سحرش کا رشتہ بھی اپنے برابر کے لوگوں میں طے کر لیتی ہے۔شادی کے بعد ایک نمائش میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ آتی ہے لیکن وہ ایک روایتی بیوی کی طرح جلال سے بے نیازی برتتی ہے اور محض ایک کلاس فیلو کی حیثیت سے شوہر سے اس کا تعارف کراتی ہے۔اس ناول کا اختتام انتہائی جذباتی اور ڈرامائی منظر پر کیا گیا ہے۔جب جلال اپنی بنائی ہوئی ایک تصویر میں دوشیزہ پر نظر ڈالتا ہے تو وہ نہ صرف سحرش سے مشابہ ہوتی ہے بلکہ اس پر خون کے دھبے بھی موجود ہوتے ہیں۔جب وہ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو دیکھتا ہے تو اس سے لہو ٹپک رہا ہوتا ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

'سازِ دل' بھی محبت کی ایک تکون ہے جو روایتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ دانیال، نتاشا اور ہیرو کی اس کہانی میں بھی چاہتوں کی پیمانی نظر آتی ہے مگر اس کا انجام جہاں دانیال کے لیے دکھ کا لمحہ ہوتا ہے وہاں ہیرو کے لیے ایک رجائی کیفیت کا تحفہ بھی لے کر آتا ہے۔ اس ناولٹ کی دلچسپ بات موسیقاروں اور گلوکاروں کے شب و روز کی روداد ہے کہ کس طرح وہ بامِ عروج پر پہنچ کر دنیا والوں کی آنکھوں میں چمکنے لگتے ہیں لیکن چڑھتے سورج کی پجاری اس دنیا میں جب یہی لوگ حالات کے جبر کے ہاتھوں زوال پذیر ہوتے ہیں تو وہی چاہنے والے لوگ کس طرح منہ موڑ لیتے ہیں۔

عزیز اعجاز کی ان تمام نثری تحریروں میں دو باتیں بہت اہم اور توجہ طلب ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے ہاں بیشتر نسوانی کردار وفا کی دیویاں نظر آتی ہیں جو اپنا گھر بسانے کے لیے قربانی دینے کے جذبے سے مالامال رہتی ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مصنف کے نزدیک فن کی تکمیل ذات کے ادھورے پن سے ممکن ہوتی ہے۔ نتاشا ہو یا ہیرو جب ان کے دل پر چوٹ لگتی ہے تو بکھرنے کے اس عمل ہی سے ان کی تعمیر ہوتی ہے۔ جلال کے فن کا معجزہ بھی اس وقت سامنے آتا ہے جب سحرش کی جدائی کا زخم سہتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ان نثر پاروں کے ذریعے مصنف نے زندگی میں مثبت سوچ کے نظریے کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ہر غم سے ایک نئی خوشی پھوٹتی ہوئی نظر آتی ہے۔ زیف سید کے ناول 'آدھی رات کا سورج' میں سپین اور اندلس کے عروج و زوال کی کہانی سفر نامے کی تکنیک میں پیش کی گئی ہے۔ عموماً تاریخی ناول لکھتے ہوئے ناول نگار وہ مآخذ اپنے قاری تک نہیں پہنچاتے جن سے انھوں نے استفادہ کیا ہوتا ہے لیکن اس ناول کی ایک اور انفرادیت یہ ہے کہ مصنف جن مستند مآخذ سے مستفید ہوئے ہیں اس تمام تحقیقی مواد تک رسائی کے لیے اپنے قاری کا راستہ بھی ہموار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ناول سے صرف ادب ہی کا طالب نہیں بلکہ تاریخ اور جغرافیہ کا طالب علم بھی محظوظ اور مستفید ہو سکتا ہے۔ ایک مؤرخ کی حیثیت سے مصنف نے نہ صرف بعض تاریخی اغلاط کی تصحیح کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ وہ جب مختلف مقامات پر تبصرہ کرتے ہیں تو بہت سے حوالوں سے ان کا تبصرہ اس قدر مدلل انداز میں سامنے آتا ہے کہ ذہن فوری طور پر اسے تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً مسجدِ قرطبہ پر قبضے اور اس کے احاطے کو محدود کر کے اس میں کلیسا بنانے پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

"مسلمان تہذیب گرم علاقوں میں پھلی پھولی، جہاں کھلی اور ہوا دار عمارتیں بنانا قدرتی تھا۔اس کے مقابلے پر یورپ کے یخ بستہ موسم تنگ و تیرہ عمارتوں ہی کی اجازت دیتے ہوں گے۔اسی تہذیبی آویزش کا خمیازہ مسجدِ قرطبہ کو بھگتنا پڑا ہے۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ آج کے سیکولر سپین میں اس تاریخی غلطی کا ازالہ کرکے مسجد کو اس کا چھنا ہوا نور لوٹا دیا جائے۔"(۱۳)

اس ضمن میں اسپین کے اندر جس طرح مسلمانوں اور مسلم تہذیب کو مٹانے کی سرِ عام سازشیں اور کوششیں کی جاتی رہی ہیں مصنف نے اس ناول میں اس کا بھی پردہ چاک کیا ہے۔وہ جگہ جگہ اس رویے پر افسوس اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔مغربی معاشرے میں موجود تضادات، نسل پرستی اور مذہبی تنگ نظری پر طنز کرتے ہوئے مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے:

"میں نے مسجد سے واپسی پر یہ بروشر دیکھا تو اس کا ایک ایک لفظ تعصب کی سیاہی سے لتھڑا ہوا پایا۔بروشر کے سرِ ورق پر مسجد کا کوئی منظر نہیں بلکہ اس کے اندر موجود کلیسا کی تصویر ہے۔ نیز بروشر کی پیشانی پر "دی کیتھیڈرل آف کورڈوبا" لکھا ہوا ہے، حالانکہ دنیا بھر میں، بشمول قرطبہ میں، اس عمارت کو مسکیتا (Mesquita) یعنی مسجد کہا جاتا ہے۔"(۱۴)

غرض اس ناول میں اندلس کی تہذیب و ثقافت، زبان، فنونِ لطیفہ پر مسلمانوں کے جو اثرات مرتب ہوئے اس کو مدلل انداز میں سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔مصنف نے تاریخی حقائق کو کہیں پر بھی خیالی قصے بننے نہیں دیا۔ان کا یہ کمال یقینا ان کے بے پناہ خلوص اور سنجیدگی کا نتیجہ ہے جس سے تاریخی واقعات کے بیان میں ایک ادبی چاشنی بھر گئی ہے۔تاہم ناول کے آخر میں فلسفے پر جو طول طویل بحث کی گئی ہے اس سے ناول کا پلاٹ کسی قدر مجروح ضرور ہوا ہے۔

اردو ادبی منظر نامے پر خالد قیوم تنولی اپنی عمدہ اور جدید افسانہ نگاری کے حوالے سے مشہور ہیں۔اس حوالے سے انھوں نے اردو کے افسانوی ادب میں 'تریاق' جیسے خوب صورت افسانوی مجموعے کا اضافہ بھی کیا ہے۔اس کے علاوہ بھی ان کے بے شمار افسانے مختلف ادبی رسائل اور جریدائد کی زینت بنتے رہے ہیں۔تاہم ان کا مختصر ناول 'پسِ غبارِ سفر'(جسے ناولٹ بھی کہا جا سکتا ہے)بھی ان کا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

ایک نثری کارنامہ ہے۔یہ ناول ۲۰۱۶ء میں قلم کار بیٹھک واہ کے زیرِ اہتمام شائع ہوا۔خالد قیوم تنولی واہ کینٹ میں رہائش پذیر ہیں لیکن اس ادبی پودے کا بیج دراصل خیبر پختونخوا کی زمین ایبٹ آباد سے تعلق رکھتا ہے۔اس لیے یہاں اس بحث میں ان کا شامل کرنا بلا جواز نہیں۔ان کا یہ ناول مکتوباتی تکنیک میں لکھا گیا ہے جس کے مرکزی کردار خانم، فہیم اور خدیجہ ایک مسلسل روحانی سفر کے مراحل طے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عارف خٹک کا پہلا ناول چند سال پہلے "چھٹکی" کے نام سے چھپا۔وہ ایک ایسے طالب علم کی داستانِ زیست ہے جو کرک کے ایک نہایت پسماندہ گاؤں سے اُٹھ کر تعلیم کی غرض سے روس چلا جاتا ہے اور وہاں سے اُس کی محبت کی داستان شروع ہو جاتی ہے جو خوشیوں، سرمستیوں، غموں، مایوسیوں، سماجی و نفسیاتی مراحل اور نشیب و فراز سے ہو کر بہت فلسفیانہ، متصوفانہ اور علامتی انداز میں منطقی انجام تک پہنچتی ہے۔یہ واحد متکلم اور سفر نامے کی تکنیک میں لکھا گیا خود نوشت ناول ہے جس میں ایک طالب علم کی رومانی کتھا ہے جو تعلیم کے لیے روس چلا جاتا ہے جہاں اُسے ایک پاکستانی طالبہ صائمہ سے محبت ہو جاتی ہے۔صائمہ کو اپنے چھوٹے قد کی وجہ سے وہ چھٹکی کہتا ہے۔اس محبت میں وہ جنس کی سرحدوں کو پار کر لیتا ہے اور پھر جذباتی طور پر اُس سے شادی بھی کر لیتا ہے مگر پاکستان آتے ہوئے اُسے اپنے گھر لانے کی جرأت نہیں کر پاتا اور یوں یہاں اُس کی دوسری شادی ہو جاتی ہے اور یہ ناول دونوں مرکزی کرداروں کا المیہ بن جاتا ہے۔ناول میں مرکزی کردار ،ماسکو روس، کینیڈا سمیت پاکستان کے کئی شہروں کا سفر کرتا نظر آتا ہے۔آخر میں ناول کی فضا کچھ بوجھل ہو جاتی ہے مگر مجموعی طور پر عارف خٹک محبت کی اس داستان کو بہترین طریقے سے پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

عارف خٹک کا دوسرا ناول "یہ پالا ہے" ۲۰۲۲ء میں سنگی پبلشنگ ہاؤس ہری پور سے چھپ کر منظر عام پر آیا۔۲۰۳ صفحات پر مشتمل یہ ناول دراصل ایک دس سالہ چرواہے میر کی آپ بیتی ہے۔ناول فلیش بیک تکنیک ،واحد متکلم کی تکنیک، خود کلامی اور مکالماتی تکنیک کی آمیزش سے ناول بُنا گیا ہے۔ناول میں پشتون معاشرے میں رائج غلط اعتقادات اور بدعتوں کو آشکارا کیا ہے۔ناول عورتوں میں پایا جانے والا گھٹن، غریبوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے رویوں، تعلیم، صحت اور پانی سے محروم علاقوں، دوغلے پن، مذہب کے نام پر بیوپار، سماجی زندگی اور اٹک کے اِس پار خان ازم، گاؤں کے مسائل اور خیر و شر کی تفریق پر محیط ہے لیکن اس میں لحہ فکریہ یہی ہے کہ نئی صدی میں انسان کے مسائل ختم نہیں ہوئے بلکہ پرانی صدی کے مسائل سمیت نئے مسائل نے جنم لیا۔اس ناول میں بھی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

اکیسویں صدی کے سب سے بڑے المیے دہشت گردی، انتہاپسندی اور مذہبی شدت پسندی کے مسائل سامنے آتے ہیں۔ افغانستان جنگ کے اس المیے سے یہ چھوٹا سا گاؤں "پالا" بھی محفوظ نہیں رہتا اور مسجدوں میں اجنبیوں کا آنا معمول بن جاتا ہے۔ مولوی عبدالقدوس کی سرگرمیاں پُراسرار اور مشکوک بن جاتی ہیں اور نمبردار اُس کا ہمنوا بن جاتا ہے، یوں دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ بنتا ہے اور لاؤڈ اسپیکروں سے جنگی ترانے بجنا شروع ہو جاتے ہیں، ہر نماز کے بعد افغانستان جنگ پر پُرجوش تقریروں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لوگ حسب توفیق عطیات دیتے ہیں اور جوان شہادت کے جذبے سے افغانستان بھیجوائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد شہیدوں کے گھروں میں مبارک باری کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور لاپتہ جوانوں کے گھر ماتمی چادر اوڑھ لیتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے پالا کا پورا منظر نامہ بدل جاتا ہے۔ مولوی عبدالقدوس کا حلقہ اثر بڑھ جاتا ہے اور نمبردار بھی اُس سے دبنے لگتا ہے۔ وہ چمکتی کاروں میں مسلح گارڈز کے ساتھ گھومتا پھرتا نظر آتا ہے اور مقامی پولیس بھی اس کا احترام کرتی ہے۔ وہ مدرسے کے لاؤڈ اسپیکر سے عصری تعلیم کو کفر اور بے حیائی کے مترادف قرار دیتا ہے اس کے برعکس سبکدوش صوبیدار عبدالرشید کی بیٹی رفعت بی بی بچوں کو اپنے گھر میں عصری تعلیم دیتی ہے جو مولوی عبدالقدوس کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ صوبیدار کا پڑھا لکھا بیٹا افغانستان میں اپنے گاؤں کے کچھ گرفتار جوانوں سے ملتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ان جوانوں کو فی کس پانچ لاکھ روپے کے حساب سے افغانستان جنگ کے لیے بیچا گیا ہے یوں وہ پالا کی صورت حال پر بین الاقوامی اخبار میں مضمون چھپوا دیتا ہے اور پھر پالا میں فوجی آپریشن ہوتا ہے اور مولوی عبدالقدوس کے مدرسے سے اسلحے سمیت بہت سے اجنبی گرفتار ہوتے ہیں اور نمبردار کے گھر سے جدید اسلحہ برآمد ہوتا ہے۔ میر پر قلم کی اہمیت اور طاقت آشکار ہوتی ہے اور وہ اگلے دن پہاڑوں پر جانے کی جگہ سکول کی راہ لیتا ہے، یہاں بہت جذباتی انداز میں ناول ختم ہو جاتا ہے۔ ناول کے اسلوب میں تخلیقی جملوں کی کمی ضرور محسوس ہوتی ہے اور خاص کر بعض جگہوں پر پشتو کے روزمرہ و محاورہ کو براہ راست اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ کئی جگہوں پر نامناسب الفاظ و تراکیب والقابات کو مناسب لفظوں میں ادا کیا جاسکتا تھا۔

راجہ کاشف کا ناول "اثبات" ۲۰۲۲ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کا بنیادی موضوع الحاد کا سائنسی، تاریخی اور نفسیاتی جائزہ ہے۔ یہ ناول زندگی کے مختلف گوشوں، پہلوؤں اور زاویوں کو آشکارا کرتا ہے۔ اس کا مرکزی کردار عویم حق اور حُسن کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ یہ ایک ایسے انسان کی کتھا ہے جو عقل کے ذریعے نہیں بلکہ علم و ادراک اور حُسن جمال کے ذریعے حق تلاشتا ہے۔ اسلم میر اس ناول کے بارے میں لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

"اس ناول کی کہانی حُسن و جمال، عقل و وجدان، شعور و لاشعور کا خوب صورت امتزاج اور تال میل ہے۔ اس ناول کا ہیرو اپنے پورے وجود، پورے احساس، جمالیاتی حس، تعقل اور وجدان کے ساتھ حق ڈھونڈتا ہے۔"(۱۵)

پروفیسر ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار اردو اور پشتو کے بہت اچھے شاعر ہیں۔ اُنھوں نے اردو نثر میں طبع آزمائی کی تو افسانوں کا ایک مجموعہ "آخری افسانہ" دو ناول "آخری محبت" اور "دوام" منظر عام پر آئے۔

پروفیسر ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار کا پہلا ناول "آخری محبت" دسمبر ۲۰۲۲ کو منظر عام پر آیا۔ اس ناول کے نام سے اس داستان محبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ مکالماتی تکنیک میں اختتام تک پہنچتا ہے۔ اس کے مکالمے بھی عام قاری سے زیادہ ادب کے طالب علموں کے لیے ہیں۔ ناول کے مکالموں میں شعر و ادب پر مباحث، اشعار اور گیتوں کا امتزاج ملتا ہے۔ دانیال اظہر، پلوشہ، امتل رضیہ عندلیب، گل مالہ، گلالئی اور حسان فیصل کی خوب صورت اور ڈرامائی گفتگو نے اس ناول کی کشش بڑھادی ہے۔ فرحت عباس شاہ لکھتے ہیں:

"اظہار اللہ اظہار انسانی رویوں، سماجی سمتوں کے بارے میں نہ صرف سوچنے پر مجبور کرتے ہیں بلکہ صدیوں سے پڑے فکری گنجل کھولنے میں مدد کرتے ہیں۔ اظہار اللہ اظہار نئے اور حقیقی فکری مسائل پر مکالمے کو تحریک دینے کی بے پناہ طاقت رکھتے ہیں۔"(۱۶)

پروفیسر ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار کا دوسرا ناول "دوام" ۲۰۲۴ء میں شائع ہوا۔ ناول کا بنیادی موضوع میں حیات و ممات کا فلسفہ ہے اور اس سے کئی سوالات نے جنم دیا ہے۔ اس ناول کے کردار اس حیات و ممات کے فلسفے پر مکالمہ اور غور فکر کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ مرگ و زیست کی اس تصادم میں کرداروں کی کتھا اور محبت کی لطیف داستانوں نے موت کی تلخی کو کم کرنے اور ناول کی فضا کو بوجھل ہونے سے بچایا ہے۔

غرض دیکھا جائے تو خیبر پختونخوا میں کئی اہم ناول لکھے گئے ہیں جن میں موضوعاتی تنوع موجود ہے۔ لیکن تاحال یہ خطہ امراؤ جان ادا، اداس نسلیں، راجہ گدھ، خونِ جگر ہونے تک، اور آنگن جیسے ناول اردو ادب کو دینے میں کامیاب نہیں ہوا۔ مذکورہ بالا ناول پڑھ کر یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اس خطے کا عمومی مزاج ناول سے زیادہ ناولٹ اور افسانے سے مناسبت رکھتا ہے کیونکہ ناول کے لیے مزاج میں جس ٹھہراؤ کی ضرورت ہوتی ہے وہ یہاں کے سیمابی مزاج لوگوں میں کم پایا جاتا ہے۔ اس

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-29

ماخذ تحقیقی مجلہ

کے باوجود یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ نئے ادبی منظر نامے پر ایسے نام موجود ہیں جو مستقبل قریب میں بڑے کارنامے سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱) آلِ احمد سرور، اردو ناول کا ارتقا، مشمولہ: اردو نثر کا فنی ارتقا، مرتب: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، ص۔۶۴

۲)ڈاکٹر سلیم اختر، ادب اور لاشعور، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص۔۳۵

۳) گوہر رحمان نوید، صوبہ سرحد میں اردو ادب(پس منظر و پیش منظر) پشاور، یونیورسٹی پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص۔۲۳۳

۴) ایضاً، ص۔۲۳۹

۵)میاں محمد ہمایوں، صوبہ سرحد میں اردو ادبی نثر (قیامِ پاکستان کے بعد)، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، شعبہ اردو جی سی یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۔۱۷

۶) مختار علی نیّر، گلی اور بازار، مشمولہ: نگارش، جلد:۴، شمارہ:۱۴، امرتسر، س۔ن

۷) اباسین یوسفزئی، زیتون بانو:شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان۲۰۰۸ء، ص۔۱۴۴

۸) سعد اللہ جان برق، شب چراغ، ص۔۹

۹) ایضاً، ص۔۱۰

۱۰) ایضاً، ص۔الف

۱۱) خالد فتح محمد، جاگے ہیں خواب میں، فلیپ

۱۲)مستنصر حسین تارڑ، پشیمان چاہتیں، فلیپ۔

۱۳) زیف سید، آدھی رات کا سورج، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۳ء، ص۔۵۹

۱۴) ایضاً، ص۔۶۱

۱۵)راجہ کاشف،اثبات،لاہور،نگارشات پبلشرز،میاں چیمبرز۳۔ٹمپل روڈ،ص۱۴

۱۶)پروفیسر ڈاکٹر اظہاراللہ اظہار، آخری محبت،پشاور،اعراف پرنٹنگ پریس دسمبر ۲۰۲۲ء،بیک فلیپ